Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 4, Issue 2
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

ڈاکٹر غزل یعقوب
ٹیچنگ ریسرچ ایسوسی ایٹ، شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی
ڈاکٹر نعیمہ بی بی
ٹیچنگ ریسرچ ایسوسی ایٹ، شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی

ایوانِ غزل: ریاست حیدر آباد کا سیاسی و سماجی منظر نامہ

Dr. Ghazal yaqub
Teaching and research associate Department of Urdu, International Islamic University
Dr. Naeema bibi
Teaching and research associate Department of Urdu, International Islamic University

Awan-I Ghazal: Political And Social Scenario Of Hyderabad State

Jellani Bano is an important reference among women writers in the subcontinent. She contributed as a short story writer, playwright and novelist. She presented social issues and inequalities in her writings. Her novel "Aiwan-e-Ghazal"depicts the political , social and cultural changes and issues that took place in State of Hyderabad before and after independence. The novel deals with the political turmoil and chaos of Indian society before the partition. In which the fall of Hyderabad has been portrayed by presenting the cultural crisis, the superiority of the feudal class and social issues. These factors will be examined in the research under review.

Key words: Jellani Bano, subcontinent, Urdu novel, Aiwan-e-Ghazal", Hyderabad,

کلیدی الفاظ: جیلانی بانو، ایوان غزل، جاہ و جلال، نوابین

جیلانی بانو برصغیر پاک و ہند کی خواتین مصنفین میں ایک اہم حوالہ ہیں۔ انھوں نے بحیثیت افسانہ نگار، ڈراما نگار اور ناول نگار اپنی عظمت کو منوایا۔ جیلانی بانو نے اپنی تصانیف میں سماجی مسائل اور ناہمواریوں کو بطور خاص موضوع بنایا۔ ایوان غزل جیلانی بانو کا پہلا ناول ہے جو 1976 میں شائع ہوا۔ پہلے پہل ناول کا نام عہد ستم رکھا گیا لیکن ملکی حالات و واقعات کے پیش نظر نام کو تبدیل کر کے ایوان غزل رکھ دیا گیا۔ موضوع اور اسلوب بیان کی ندرت کی وجہ سے ناول کی اشاعت متعدد بار ہوئی اور اسے مختلف زبانوں میں ترجمہ بھی کیا گیا۔ جن میں انگریزی، پنجابی، تلگو، تامل اور کنڑی وغیرہ شامل ہیں۔

ناول میں تقسیم سے قبل ہندوستانی معاشرے کی سیاسی ہنگامہ آرائیوں اور افراتفری کو موضوع بنایا گیا ہے۔ جس میں تہذیبی و ثقافتی بحران، جاگیر دار طبقے کی بالا دستی اور سماجی مسائل کو پیش کرتے ہوئے زوال حیدر آباد کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ زیر نظر تحقیق میں ان ہی عوامل کا جائزہ لیا جائے گا۔

ناول کے عنوان میں مستعمل لفظ "ایوان" اپنے اندر وسیع مفاہیم و معانی سمیٹے ہوئے ہے۔ "ایوان" بظاہر دولت و حشمت اور جاہ و جلال کی علامت ہے، جب کہ لفظ "غزل" دکھ یا تکلیف کے اظہار سے منسوب ہے۔ تو "ایوان غزل" کو اس دور کے نوابین کے المیے کے طور پر بھی لیا جا سکتا ہے۔ بنتی بگڑتی ملکی صورتحال نے اس دور کے نوابین کو جو اپنی زندگیاں ٹھاٹھ باٹھ میں گزار کر آئے تھے۔ ان کے لیے بھی زندگی مشکل کر دی تھی۔ اور وہ اپنی بچی کھچی برائے نام آبرو کو سمیٹنے کے چکر میں اپنے عزیز و اقارب کے دھن پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔

دوسری طرف دونوں حروف کو یکجا کر کے ایوان غزل کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ ناول کے مرکزی کردار غزل کی زندگی سے ہم آہنگ محسوس ہوتے

ہیں۔ غزل بظاہر فطری حسن سے مالامال ہے۔ایسا حسن جس کی ہر شخص آرزو کرتا ہے لیکن زندگی کے بہت سے معاملات میں محض تشنگی کے اس کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ بچپن سے لے کر ایام جوانی تک وہ ایک نگاہ الفت کی متلاشی رہی۔ وہ ایک ایسے شخص کے استعارے کے طور پر ابھرتی ہے جو اپنا مکمل وجود رکھتے ہوئے بھی اپنی ذات کی تلاش میں سرگرداں ہے۔اس کی پوری زندگی کسی ایسے سراب کے تعاقب میں گزرتی ہے جس کا اسے خود بھی علم نہیں۔ ہمیشہ محبت اور چاہت کی طلب میں بے قرار وجود کئی وجودوں کی تسکین کا باعث تو بن جاتا ہے لیکن اس کے باوجود اسے کسی طور قرار میسر نہیں آتا۔ڈاکٹر صوبیہ سلیم اس ضمن میں یوں لکھتی ہیں:

جیلانی بانو کا ناول "ایوانِ غزل" بھی ایسے ہی ماحول کی عکاسی کرتا ہے۔ جہاں "ایوانِ غزل" محض ایک عمارت نہیں بل کہ ایک پوری تہذیب کا استعارہ بن کر سامنے آتی ہے۔ یہاں کے لوگ،ان کی زبان،ان کے بدلتے حالات،نوابی شان و شوکت کی ریتلی چوٹیوں پر کھڑے ان لوگوں کے پیروں تلے سے ریت کھسکنے لگتی تھی۔ "ایوانِ غزل" نئے حالات کے سامنے اس تہذیب کے دم توڑنے کا حال ہی نہیں سناتا بلکہ ایوانِ غزل میں بسنے والوں کی اگلی نسلوں کے بدلتے حالات اور ان کی زندگیوں کے نئے شب و روز کو بھی نہایت خوبی سے بیان کرتا ہے۔(1)

ناول کی کہانی ریاست حیدر آباد کے دو بڑے طبقات کے گرد گھومتی ہے۔ایک طبقے کی عکاسی نواب واحد حسین اور ان کے گھرانے کی صورت میں ایوان غزل میں ہوتی ہے۔ جہاں اردو کے نامور شعرا زبان و بیان کی آبیاری و بقا کا فریضہ سرانجام دیتے دکھائی ہیں۔ تو دوسرا طبقہ سجادہ نشین مسکین علی شاہ طوطا چشمی کے آستانے الف لیلہ کی شکل میں ہوتی ہے جہاں ہر مذہب و ملت کے لوگ مسائل کے حل کے لیے تعظیم و تکریم سے سر جھکایا کرتے تھے۔انہی گھرانوں کے افراد ناول کی کہانی کو آگے بڑھانے اور نظریات کی ترسیل میں معاونت کرتے ہیں۔ڈاکٹر خالد اشرف ایوانِ غزل کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

ایوان غزل حیدر آباد کے جاگیر دارانہ و آمرانہ شاہی نظام کے زوال کی کہانی ہے۔ مصنفہ سیاسی عقیدے کے لحاظ سے اشتراکی ہیں اور یہی اشتراکی حقیقت نگاری اور نشتریت ان کے ناول میں نظر آتی ہے۔اس میں دوسری جنگ عظیم سے سقوط حیدر آباد تک کے دور کو موضوع بنایا گیا ہے۔ حیدر آبادی رؤسا کی عیاشیاں، کمزوروں پر مظالم اور تلنگانہ کے گاؤں میں کمیونسٹ پارٹی کی قیادت میں چلائی گئی کسانوں کی تحریک وغیرہ کو ایوان غزل میں کامیابی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ (2)

جیلانی بانو نے ناول میں جہاں ملکی سیاست پر بات کرتے ہوئے سیاسی معاملات و مسائل کی عکاسی کی وہیں انھوں نے گھریلو سیاست اور عام معاشرتی سماجی معالات و مسائل پر بھی اپنے خیالات کا برملا اظہار کیا اور معاشرے میں موجود ناہمواریوں اور اخلاقی پستی کو موضوع بنایا۔ان مسائل کی عکاسی انھوں نے ایسے کرداروں کے تجزیے کے ذریعے کی جو کہیں سماجی ناہمواریوں کی وجہ سے پس رہے ہیں تو کہیں بااختیار ہوتے ہوئے کسی دوسرے کے استحصال کی وجہ بن رہے ہیں۔ ناول میں جن مسائل کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کی تفصیل ذیل میں پیش کی گئی ہے:

جیلانی بانو نے جس دور میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار کیا اس میں ایک عام عورت گھر گرہستی تک محدود تھی اور اس کی سوچوں کا تمام تر محور اس کے گھر کے افراد تھے۔اس سے باہر کی دنیا اس کے مطلب کی چیز نہ تھی لیکن اپنے گھریلو ماحول اور بدلتے ہوئے تقاضوں کی بدولت جیلانی بانو باشعور خاتون تھی اور نا صرف اپنی ذات سے متعلق حقوق کا ادارک رکھتی تھی بل کہ سماجی و سیاسی ناہمواریوں اور مسائل سے بھی بخوبی واقف تھیں اور اس کا اظہار انھوں نے ایوانِ غزل میں کیا۔ ناول بظاہر تو غزل کے بچپن سے لے ایام جوانی اور اس پھر شادی کے بعد اس کی موت تک کے سفر پر مشتمل ہے لیکن اسی تناظر میں اس دور میں ہونے والے سیاسی معاملات و مسائل کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ جس میں ہندو مسلم مشترکہ تہذیب سے لے کر سقوط حیدر آباد اور اس کے بعد قیام پاکستان تک کے واقعات اور ان کے رد عمل کو ظاہر کیا گیا ہے۔ جس میں اشتراکی افکار کے حامل کرداروں کے ذریعے کمیونسٹ پارٹی اور تلنگانہ تحریک، جلیانوالہ باغ میں ہونے والے خونیں واقعے، انگریزوں کی مداخلت اور ہندوستانیوں کے رد عمل کو کمال فن کاری کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ناول نگار نے ہندوستان میں آریاؤں کی دشت نوردی سے لے کر انگریزوں کے حاکم بن جانے اور بھگت سنگھ کے انقلابی افکار کو بھی پیش کیا ہے۔ بدلتے ہوئے سیاسی حالات و واقعات اور جاگیرداروں اور عہدے داران کی مفاد پرستی اور سیاسی صورت حال کو جیلانی بانو نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

"اب دیکھنا کہ یہ سارے "ہندوستانیاں" جو حیدر آباد کو اشرفیوں کا پیڑ سمجھ کر ہلانے آجاتے تھے۔ رفتہ رفتہ غائب ہو جائیں گے۔ کیوں کہ اب ان کے ہاں کوئی اکبر اعظم ،دہلی کے تخت پر بیٹھ کر ہندو اور مسلمانوں کو ایک گھاٹ پانی پلائے گا۔ اب وہاں آئے دن ہونے والے ہندو مسلم فساد ختم ہو جائیں گے۔"

ہندوستانیوں کے اس ٹھاٹھ کے تصور ہی سے واحد حسین کے منہ میں پانی بھر آیا۔ چلتے چلتے انگریز سے ایک تگڑا اثر ڈلوایا جائے کہ راشد کو کہیں کوئی بڑا سا عہدہ مل جائے۔۔۔"(3)

مصنفہ نے صرف سیاسی مسائل اور مقاصد ہی پیش نہیں کیے بل ہر قوم کے ذاتی مفادات اور اہداف و مقاصد کو بھی موضوع بنایا ہے۔ اور اس میں بھی ہر طبقے کے لوگوں کے مسائل کا احاطہ کیا ہے مثال کے طور پر:

"اجی راجہ !آپ کا کیا ہے۔چت بھی اپنی پٹ بھی اپنی"

جاگیریں گئیں تو حکومت کوئی بڑا عہدہ دیدے گی۔اب آپ دہلی فوراً جائیں۔سنا ہے وہاں خوب منسٹریاں بٹ رہی ہیں۔

"کیا لگاتے راشد نواب۔"ملیشم نے بیزاری سے کہا۔

"اجی حضت،آپ بڑے آدمیوں کا کیا ہے۔جاگیریں جائیں گی تو بڑے عہدے مل جائیں گے۔

مصیبت تو ہم نیچ ذات کے ہندوؤں کی ہے۔سنا ہے دہلی میں تو رام راجیہ قائم ہو گا۔ملیشم بڑی اداسی کے ساتھ کہ رہا تھا۔

"اجی نہیں،اب تو آپ ہی کا راج ہو گا"راشد نے بڑے طنز کے ساتھ کہا۔

"نہرو تو سوشلزم کے قائل ہیں۔مذہب وذہب سب ختم۔مہتر،چمار،مسلمان،برہمن سب ایک ذات کہلائیں گے۔(4)

سیاسی معاملات کی پیشکش کے ساتھ ساتھ سماجی معاملات کو بھی موضوع بنایا گیا ہے جس میں ایک عام عورت کے جذبات واحساسات کو بھی احاطہ تحریر میں لا کر تمام طبقات کی عورتوں کی تصویر کھینچ دی ہے۔جس میں عورت کے ساتھ کیے جانے والے ناروا سلوک،جہیز کے لالچ میں کی جانے والی بے جوڑ شادیاں،شادی کے معاملے میں عورت کی مرضی کا نہ پوچھنا،تعدد ازدواج،لونڈیوں سے نکاح کا رواج اور بیویوں سے بے اعتنائی کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔تمام مسائل کی پیشکش ناول میں موجود کرداروں کے حالات واقعات کے بیان سے ہوتی ہے۔ڈاکٹر ممتاز احمد خاں ان موضوعات کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

۔۔۔اس سفر میں کمیونسٹوں کی شورشیں،تلنگانہ تحریک،توڑ پھوڑ،نظام دکن کے خلاف سازشیں،غلط گھریلو روایا تاور ان میں پائی جانے والی ریاکاریاں،وہم و توہمات،استحصال زدہ عورتوں کی گھٹن،بے مقصد شادیاں اور ان کے نتائج،بڑے طبقے میں ایرانی اور ترکی عورتوں کے آجانے سے تہذیبی اتھل پتھل،اور نئی نسل کے افکار و اعمال سے پیدا شدہ اچھے برے نتائج اور کرداروں کا داخلی کرب غرض کہ ایک بھرپور شورش زدہ داخلی وخارجی زندگی کا مؤثر عکس دکھایا گیا ہے۔۔۔(5)

ناول میں نواب واحد حسین کی صاحبزادیاں عام ہندوستانی عورتوں کی عکاسی کرتی ہیں۔جنھیں نواب کی اولاد ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ملتا۔بل کہ وہ عام عورتوں کی طرح ہی خاوند کی دھتکاری ہوئی والد کے در پر آ پہنچتی ہے۔ناول میں انسانی سرشت کو بھی موضوع بنایا گیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسان کے لیے اس کے اپنے مفاد کے علاوہ کچھ اہم نہیں ہوتا جدید دور کے انسان کا یہی المیہ ہے کہ وہ مفاد کی دوڑ میں اتنا آگے بڑھ گیا ہے کہ رشتوں کا حقیقی تقدس پامال ہو کر رہ گیا ہے۔اس کی مثال بتول کی صورت میں ملتی ہے جو ہر دوسرے تیسرے روز چند روپوں کی خاطر شوہر کی مار کھا کر والد کے در پر آن پڑتی تھی اور والد بھی اسے ایک بوجھ سمجھ کر ہمیشہ ٹالنے کی کوشش میں رہتے ۔مثال ملاحظہ ہو:

"اگر بتول کو کچھ دینا ہو تو دے دیجیے نا۔پاپ کٹے۔"بیبی نے آہستہ سے واحد حسین سے کہا۔

"میرے پاس کوئی قارون کا خزانہ ہے"وہ جھنجھلا گئے۔

"ہر مہینے دو سو روپے کہاں سے لاؤں میں !آپ کے داماد کو تو اب چاٹ لگ گئی ہے۔جس وقت دیکھو ہاتھ پھیلا ہے۔"

"تو بتول کیا کرے۔؟"بی بی کی آواز بھرا گئی۔

"وہ اسے مار پیٹ کر بھیجتا ہے۔اگر روپیہ لے کر نہ جائے گی تو اور ظلم توڑے گا۔"

"تو میری بوٹیاں نوچ کر دے دو"واحد حسین چلانے لگے۔۔۔"(6)

غزل کے باپ نے صرف اس کی ماں بتول کے ساتھ یہ رویہ روا نہ رکھا بل کہ پیسے کے حصول کی خاطر اس نے اپنی بیٹی کو بھی فلموں کی زینت بنانے پر اکسایا اور غزل کے انکار کی صورت میں مار دھاڑ اور زور زبردستی سے کام لیا۔

جیلانی بانو نے ناول میں اپنے بھرپور نسائی شعور کی عکاسی بھی کی ہے۔انھوں نے عورت کو محض گوشت پوست کا انسان نہیں سمجھا بل کہ اس کے پورے وجود کے ساتھ اس کے ذہن کی اہمیت کو بھی بیان کیا ہے۔اس دور میں عورت کو محض حسن وعشق کے موضوعات تک ہی محدود رکھا جاتا تھا کبھی کسی نے اس کے جسم کے ساتھ اس کے ذہن کو قبول نہ کیا تھا لیکن مصنفہ نے ناول میں یہ نظریہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ عورت اپنے وجود کے ساتھ ساتھ ذہن بھی رکھتی ہے۔اور وہ ان تمام صلاحیتوں سے مالا مال جو ایک عام انسان میں موجود ہیں بس اسے اپنی صلاحیتوں کا ادراک ہونا چاہیے۔قیصر کی زبانی غزل کو کی گئی نصیحت میں اس کی مثال یوں ملتی ہے:

"رونا چھوڑو غزل۔۔۔بل کہ اپنی یہ روش بھی بدلو۔۔۔قیصر نے اسے گلے لگا کر کہا۔

"چاند کی طرح مردوں سے کھیلنا چھوڑ دو۔جسم کے علاوہ دماغ بھی تو ہے تمھارے پاس۔وہ کیوں نہیں بیچتیں۔!"(7)

ناول میں جیلانی بانو نا صرف عورتوں کے حقوق کا ادراک رکھتی ہیں بل کہ سماجی ناہمواریوں کا تذکرہ بھی کرتی ہیں۔انھوں نے ہندوستانی معاشرے کے جاگیر دار طبقے کی خواتین کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک کو بطور خاص موضوع بنایا ہے۔اور اس سلوک سے رد عمل میں عورت کی نفسیاتی کشمکش اور ذہنی تناؤ کو بھی پیش کیا ہے ۔ایوانِ غزل میں عورت کی حیثیت کا اندازہ ان سطور سے لگایا جاسکتا ہے:

"ایوانِ غزل میں عورت کا صرف ایک مصرف رہا ہے، مرد کی جنسی تسکین کا ذریعہ۔ میں نے اس ڈیوڑھی کے بارے میں بہت سی کہانیاں سنی ہیں۔۔۔۔

مگر "ایوانِ غزل" نے مجھے کوئی دکھ نہیں دیا۔یہ تو میرا آخری پناہ گہ ہے۔۔۔۔۔

"ہر مجبور عورت کی آخری پناہ گاہ یہی ہوتی ہے۔"اس نے سگریٹ کا دھواں باہر اگلا۔(8)

ناول میں چاند اور غزل بظاہر تو مضبوط نسوانی کرداروں کی صورت ابھر کر سامنے آتے ہیں لیکن بعد ازاں ان کی چمک ماند پڑ جاتی ہے۔آخر میں قیصر ایک بھرپور باغی کردار کے طور پر ابھرتی ہے۔وہ حالات و واقعات سے ڈٹ کر نبرد آزما ہوتی ہے اور ملک و قوم کی خاطر مر مٹ جانے کے لیے ہر دم تیار رہتی ہے۔ناول میں زیادہ تر نسائی کردار اپنی اپنی جگہ خاص کردار نبھاتے نظر آرہے ہیں۔واحد حسین کی بیوی جوان کے گھر کے منشی کی ایک خوبصورت اولاد ہیں۔واحد حسین ان سے متاثر ہو کر دل ہار بیٹھتے ہیں اور پوری زندگی انہی کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔واحد حسین کی بے چینی دیکھ کر گھر والوں کو ناچار ان کی شادی ایک ایسے گھرانے میں کرنی پڑتی ہے جو انہی کے ہاں ملازم ہے۔بی بی اس زبردستی کے غم وغصے پر تمام عمر واحد حسین کے گھر گزار تو دیتی ہیں لیکن کبھی ایک نظر التفات کی نہیں ڈالتی۔جسے ان کا ردعمل کہا جاسکتا ہے۔ایوان غزل کے نسائی کردار بظاہر تو روایت سے منسوب نظر آتے ہیں۔لیکن وہ سماجی تقاضے نبھاتے نبھاتے حالات کے آگے مجبور ہو کر ڈھیر ہو بھی جائیں تو گھٹنے ٹکنے نہیں دیتے۔اس کی ایک مثال بی بی ہیں۔سماجی دائرہ کار میں بی بی کا وجود ایک عام عورت کا وجود سمجھا جاتا ہے جو خاموش پڑی اپنی زندگی واحد حسین نامی کھونٹے کے ساتھ گزارنے پر معمور و مجبور ہے لیکن بی بی کی خاموشی بھی اپنے اندر پر زور احتجاج ہے۔واحد حسین کی موت پر بی بی کی خاموشی شاید اس قید سے آزادی کا جشن تھی جس میں وہ تمام عمر مقید رہیں۔ناول میں اس کی مثال یوں ملتی ہے:

"سب دم بخود تھے، چالیس برس کا ساتھ تھا، جانے بی بی آج کتنا روئیں گی۔۔۔

مگر انھوں نے اطمینان سے مڑ کر راشد کو تھاما۔۔۔

اور چپ چاپ دیوار سے لگ کر بیٹھ گئیں۔

صبح تک انھیں رلانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی، مگر جب انھوں نے اپنے ہاتھ دیکھے تو اچانک رونے لگیں۔

میرے ہاتھ خالی ہو گئے۔میں اب یہاں سے بھاگ جاؤں گی، میری رسی ٹوٹ گئی۔۔۔

اس کے بعد وہ بستر سے نہیں اٹھیں۔۔۔"(9)

بی بی کی حالت زار اور اس پر بی بی زندگی کے حوالے سے لنگڑی پھوپھو کی وضاحت ان کی زندگی کی کڑواہٹوں اور اس روایت پسند ہندوستانی عورت کی زندگی کی تصویر کشی کرتے ہیں جو تمام عمر سماج کے نام نہاد تقاضوں کو پورا کرتی محض گھر بسانے کی خاطر لب سیے آنکھیں موندے بسر کر دیتی ہیں:

"دن گزرتے رہے۔۔۔ایک ہفتہ۔۔۔دو ہفتے۔۔۔دو مہینے۔۔۔بی بی مرتی نہ تھیں۔زندہ بھی نہ تھیں۔۔۔زندگی اور موت کے درمیان ایک سانس کا ڈورا باقی تھا۔۔کوئی کہاں تک ڈاکٹروں کو بلائے۔کتنی آکسیجن دے۔۔کب تک نلیوں سے غذا پہنچائے۔۔۔!

۔۔۔بیٹا یہ کوئی نیا مرض تھوڑی ہے، یہ عورت تو ہمیشہ ہی آنکھیں بند کیے جیے گئی"(10)

ناول کے مردانہ کردار اس دور کے معاشرے کے بھرپور نمائندگان کے طور پر ابھر کر سامنے آئے ہیں۔تقسیم ہند سے پہلے جب ملک میں سیاسی معاملات بگڑنا شروع ہوئے اور نوابین کے ٹھاٹھ باٹھ اور شان و شکوہ میں کمی واقع ہونا شروع ہوئی تو وہ اس بھونچال کا فوری مقابلہ نہ کر سکے اور صورتحال سے ہڑبڑا گئے۔ایک طرف صدیوں کا ٹھاٹھ باٹھ جاتا دکھائی دے رہا تھا تو دوسری طرف اس مصنوعی شان و شکوہ کو قائم رکھنے کے لیے ان نوابین کے حد سے بڑھے ہوئے اخراجات اور قرض کی رقوم تھیں۔یہ نوابین بظاہر تو ہشاش بشاش دکھتے تھے لیکن ان میں سے اکثر مصنوعیت کو برقرار رکھنے کے لیے لاکھوں کے مقروض ہو گئے تھے۔علاوہ ازیں ان کی عیاش پسند طبیعتیں بھی انھیں وقت پر سنبھلنے کا موقع نہ دے سکیں اور یہ اپنی جائز ناجائز اولاد واور لونڈیوں کے بوجھ کو سنبھالتے سنبھالتے ایسی دلدل میں دھنستے گئے جس سے نکلنے کا کوئی راستہ سجھائی نہ دیتا تھا۔

واحد حسین ایک حوالے سے بڑے سمجھ دار واقع ہوئے تھے۔انھوں نے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے پہلے اپنے والد کے دھن پر نظریں جمائے رکھی اور ان کے انتقال کے بعد جب یہ معلوم ہوا کہ وہ سوائے اپنی ناجائز اولاد اور چند بیاضوں کے اور کچھ چھوڑ کر نہیں گئے تو ان کی نظریں اپنے بھائی احمد حسین کی بیوی کی لائی ہوئی

دولت پر جم گئیں کیونکہ ان کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی اور قانون کے مطابق ان کی دولت پر واحد حسین کے گھرانے کا ہی حق تھا۔ بعد ازاں احمد حسین کی کسی لونڈی کی اولاد کی پیدائش نے واحد حسین کی اس امید کو بھی معدوم کر دیا اور وہ سوائے افسوس کے اور کچھ نا کر پائے۔ ناول میں مردانہ کردار اکثر عہدے داران کی صورت ابھر کر سامنے آئے ہیں لیکن یہ کردار جس قدر بڑے عہدے پر فائز اور اچھے پیشے سے منسلک ہیں اسی قدر اخلاقی گراوٹ اور پستی کا شکار ہیں۔ نام نہاد معاشرتی اصولوں اور تقاضوں کو نبھاتے یہ کردار انسانی اوصاف میں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ واحد حسین جو بظاہر ایک وضع دار انسان ہیں لیکن انسانی مفاد پرستی ان کی وضع داری کے سامنے ہیچ ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان واحد حسین کی شخصی خرابیوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

واحد حسین وضع دار انسان ہیں لیکن اب زندگی ان کی وضع داری کا معاشی اور سماجی طور سے ساتھ نہیں دے پا رہی ہے اسی لیے وہ چاہتے ہیں کہ اپنے بھائی احمد حسین کی جائیداد ہتھیا لیں۔ جو ایک عرصے تک لاولد رہتے ہیں لیکن ایک لونڈی بی بی جان سے لڑکا ہو جانے پر اوس پڑ جاتی ہے۔(11)

انسانی سرشت سے مجبور ایک کردار واحد حسین کا بیٹا راشد بھی ہے جو اسی مادیت پرست معاشرے کا ایک مہرہ ہے۔ راشد پوری زندگی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلا بل کہ مفاد پرستی میں وہ باپ سے بھی آگے دکھائی دیا۔ اس نے اپنے کالے دھن کو چھپانے کی خاطر اپنی بھانجی چاند کو بھی مہرے کے طور پر استعمال کیا۔

واحد حسین کا دوسرا داماد ہمایوں ہے جو غزل کا باپ ہے۔ ہمایوں نے عمر بھر اپنی بیوی کو سکھ کا سانس نہ لینے دیا بل کہ مار پیٹ کر باپ کے گھر پیسے کی خاطر بھیج دینا اس کا عام شیوہ تھا۔ ہمایوں سجادہ نشین مسکین علی شاہ طوطا چشمی کا سپوت تھا۔ جو اس دور کے مذہبی اجارہ داروں کی تصویر کے ایک رخ کے طور پر سامنے آتا ہے۔ یہ گھرانہ بیسویں صدی میں مسلم معاشرت کی زبوں حالی کا غماز ہے۔ جو بیٹی کی پیدائش کو محض اس لیے نحس قرار دیتا ہے کہ وہ گدی نہیں سنبھال پائے گی۔ اور ایک باپردہ گھر کا رکن ہونے کے باوجود اپنی بیٹی غزل کو محض پیسے کمانے کی خاطر سٹیج پر بھیجنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ بیٹی کے انکار پر اسے مارنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ ہمایوں بھی اس دور کے معاشرتی رویوں کی عکاسی اور عورت سے متعلقہ معاملات کی عکاسی کرتا ہے جس میں ایک مذہبی گھرانے کے لڑکے کا بیوی کے ہوتے ہوئے بھی ایک کرسچن لڑکی سایا کے ساتھ وقت گزارنا کوئی عیب نا تھا۔ مندرجہ بالا کردار اس دور کے مادیت پرست معاشرے کے عکاس ہیں۔ جن کی نام نہاد روایت پرستی اپنے مفاد کے حصول کے کہیں گم ہو جاتی ہے اور ان کی شان و شوکت پر بھی کوئی آنچ نہیں آنے پاتی۔ جیلانی بانو نے مردانہ طمع اور اقتدار کی حرص کے ساتھ ساتھ مردانہ نفسیات کو بھی موضوع بنایا ہے۔ ان کے مطابق:

"مرد کو عوت اگر حاصل ہو جائے تو قدر کھو بیٹھتی ہے۔ جب وہ اسے مکمل طور پر جان لیتا ہے تو اس سے اکتا جاتا ہے۔"(12)

اس کی مثال ناول کے مختلف کرداروں کی صورت بھی ملتی ہے۔ ہمایوں نے سایا کو ہمیشہ اپنی بیوی پر ترجیح دی لیکن بیوی کی وفات کے بعد جب وہ اسے مسلمان کر کے اس سے نکاح کر لیتا ہے تو وہ اپنی قدر کھو بیٹھتی ہے اور محض بیوی بن کر رہ جاتی ہے۔

ہندوستانی تاریخ میں حیدر آباد اپنے ماحول، تہذیب و تمدن، زبان و بیان کے حوالے سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہاں زبان کو دی جانے والی اہمیت ہے اور اس میں لکھے جانے والا ادب ہے۔ قلی قطب شاہ کی نسبت سے اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے یہاں کے لوگوں میں شعر و شاعری اور ادب کا ایک خاص شغف ملتا ہے جس کی بھرپور عکاسی جیلانی بانو نے ایوان غزل میں کی ہے۔ ناول محض سیاسی و سماجی منظر نامہ نہیں پیش کرتا بل کہ فنی لحاظ سے بھی اپنی عظمت منواتا ہے۔ ناول حیدر آباد کے ایک روایتی گھرانے کے تناظر میں اس دور کی مکمل عکاسی ملتی ہے جس میں اس دور کی زبان و بیان کو بھی بخوبی برتا گیا ہے۔ عام خواتین کی بول چال کو انہی کے طور ادا کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ جیسے "حصہ نت"، "نکو"، "کتے"، "لوگاں"، "جی ہاؤ"، "جاہلاں" جیسے الفاظ کا عام استعمال ملتا ہے جو صورتحال کو ابھارنے میں معاونت کرتے ہیں اور اس تہذیب کا خفیف سا نقشہ بھی کھینچتے ہیں۔ اسی طرح ایک جملہ ملاحظہ ہو "بچاری بچی کی زندگی کا ہے کو چپ خراب کرتیں" بھی اس دور کی زبان کی عکاسی کرتے ہیں۔ ناول نگار نے سادہ جملوں کے ذریعے اپنے نظریات کی ترسیل کا کام کیا ہے۔ علاوہ ازیں صورتحال کو ابھارنے کے لیے منظر نگاری کا خوب التزام کیا گیا ہے۔ اس کی مثال شیخو بھائی اور رضیہ کے مندرجہ ذیل مکالمے میں ملتی ہے:

"ہم تو یہ جانتے ہیں دلہن بیگم کہ بیٹی کی شادی ہمیشہ واں کرنا جاں اس کی خدر کرنے والے لاگاں ہوں۔"

"۔۔۔ یہ تو قسمت کی بات ہے شیخو بھائی۔ نصیبوں کا لکھا کیسے دیکھیں گے۔ اپن تو بھوت ڈھونڈے اچھا بر۔"

"مگر پھر بھی ہمیشہ عورت بیٹی کو واں دینا جاں اس کی خدر کرنے والے ہوں۔۔۔"....

شیخو بھائی کی بات پر رضیہ کو ہنسی آگئی اور لنگڑی پھوپھو منہ بنا کے بڑبڑانے لگیں۔

"چھچھوری باتاں ہی نہیں جاتے اجاڑ صورت کے"۔۔۔(13)

ایوانِ غزل میں تمام تر مسائل و مباحث کا احاطہ کرتے ہوئے جیلانی بانو بسا اوقات ایک فلسفی کا روپ بھی دھار لیتی ہیں انھوں نے انسانی نفسیات کی عکاسی اور معاملات و مصائب سے نبرد آزما ہوتے ہوتے انسان کی تھکن اور الجھاؤ کو بھی بخوبی پیش کیا اور اس کے دکھ اور تکلیف کو الفاظ دیے۔ مثال کے طور پر درج ذیل جملے دیکھیے:

"اب اس گھر کے اندر جاؤں گی تو وہاں کتنے بکھیڑے پھیلے ہوں گے۔ باہر سے چپ چاپ نظر آنے والے ہر گھر کے اندر کتنے آنسو چھپے ہوتے ہیں۔ کتنی سسکیاں۔ اب پھر ایک کہانی شروع ہو جائے گی۔۔۔"(14)

ایک اور جگہ اس کی مثال یوں ملتی ہے:

"۔۔۔ غزل نے سوچا وہ کیا چاہتی ہے۔ وہ تو خود بھی اپنی کسی خواہش کا تجزیہ نہ کر سکی۔۔۔ اسے اس بات پر رونا آیا تھا کہ وہ اپنا دکھ کسے سنائے؟۔۔۔ اس دنیا میں اس کا کون تھا؟۔۔۔ سب ہی اس کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اس اندھیرے کے جنگل میں۔۔۔ خاموشی کے ناپیدا کنار سمندر میں، میں اکیلی ہوں۔۔۔ اس کے دل پر جیسے کوئی بھاری پتھر گر پڑا۔۔۔"(15)

مختصراً دیکھا جائے تو جیلانی بانو نے اپنے ناول میں آزادی سے قبل اور اس سے بعد کے ریاست حیدر آباد کے حالات و واقعات کے تناظر میں انسانی اقدار کی شکست و ریخت اور اخلاقی گراوٹ کو موضوع بنایا ہے۔ جس میں مٹتی اخلاقی اقدار، انسان کی مادی و جسمانی ہوس پرستی اور طبقاتی کشمکش نظریے کو نکھارنے میں معاونت کے ساتھ ساتھ سماجی تنزلی کے محرکات کے طور پر ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ ناول میں جاگیر دار طبقے اور خاص کر نوابین پر چوٹ کرتے ہوئے اس مسئلے کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی ہے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی انسان کو کسی نا کسی فکر میں مبتلا اور کسی نا کسی شے کی طلب میں مبتلا دکھایا گیا ہے جو جدید دور کے انسان کا عام رویہ ہے۔ ناول کے بیشتر کردار ملک و ملت کے تصور سے ہٹ کر انسانی آزادی کے خواہاں بھی نظر آتے ہیں۔ ناول میں مصنفہ نے اس نکتے کو ابھارنے کی کوشش بھی کی ہے کہ جس معاشرے میں ذاتی مفادات اجتماعی مفادات پر غالب آجائیں وہ معاشرہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس میں فرد صرف اپنی ذات کے نفع و نقصان میں اس قدر الجھ جاتا ہے کہ معاشرے کی تباہی اور بربادی کا سوچتا ہی نہیں اور یوں معاشرہ زبوں حالی کا شکار ہو جاتا ہے۔ کسی بھی قوم، ملت اور معاشرے کی ترقی کا تمام تر دارومدار اس کی افرادی قوت پر ہے۔ جب تمام افراد ایک مقصد کے حصول کے لیے ہر طرح کے مفادات سے مبرا ہو کر کوشش کریں تو کامیابی انہی کا مقدر ٹھہرتی ہے۔

حوالہ جات

1۔ صوبیہ سلیم، ڈاکٹر۔ "جیلانی بانو کے نسوانی کردار (ایوان غزل کے تناظر میں) ۔ مشمولہ تحقیقی جریدہ، جلد 1، شمارہ 2017،، 2، ص 9۔
2۔ خالد اشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اردو ناول ۔ لاہور: فکشن ہاؤس۔ 2017۔ ص 214۔
3۔ جیلانی بانو۔ ایوان غزل۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز۔ 2016۔ ص 188۔
4۔ ایضاً، ص 187 تا 188۔
5۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اردو ناول (ہیئت، اسالیب اور رجحانات)، پاکستان: انجمن ترقی اردو۔ 1997، ص 127۔
6۔ ایضاً، ص 118۔
7۔ ایضاً، ص 268۔
8۔ ایضاً، ص 296۔
9۔ ایضاً، ص 279۔
10۔ ایضاً، ص 279 تا 280۔
11۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اردو ناول (ہیئت، اسالیب اور رجحانات)، پاکستان: انجمن ترقی اردو۔ 1997، ص 126۔
12۔ جیلانی بانو۔ ص۔
13۔ ایضاً، ص 302۔
14۔ ایضاً، ص 289۔
15۔ ایضاً، ص 216۔